خورشید احمد ندیم

دین یا فرقہ؟

ہمارا مسئلہ دین نہیں، فرقہ و مسلک ہے۔ ہم اسی عصبیت میں جیتے اور اسی کو دین سمجھتے ہیں۔ ہم اپنی فرقہ دارانہ شناخت کے تحفظ کے لیے پُرجوش ہیں، نہ کہ دین کے لیے۔

امت کا مرکز و محور پیغمبر کی ذات ہوتی ہے۔ پیغمبر ہی سے امت بنتی ہے۔ اس شجر طیبہ سے بہت سی شاخیں پھوٹتی ہیں۔ وہ لوگ جو حالت ایمان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے (الذین معہ)۔ وہ جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں وقت گزارا (امہات المومنین، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں، نواسے نواسیاں، خدام) یہ سب ہمارے سر آنکھوں پر۔ ہمارا ان سے محبت و عقیدت کا رشتہ ہے، جو بہت گہرا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ یہ اس پاکیزہ شاخ کے برگ و بار ہیں جو ہماری محبت و عقیدت کا حقیقی مرکز ہے۔ ہم جب شجر کے بجاے شاخوں کو اپنی شناخت بناتے ہیں تو ترتیب الٹ جاتی ہے۔ یہیں سے فرقہ دارانہ عصبیت جنم لیتی اور پھر دیوار کھڑی ہو جاتی ہے۔

فرقے سے آگے ایک درجہ اور ہے۔ یہ مسلک ہے۔ ان شاخوں پر جو رنگ برنگے پھول کھلتے ہیں، جو پھل لگتے ہیں، ہمارے جسم و جاں ان سے معطر ہوتے اور ہماری روحانی غذا کا سامان بنتے ہیں۔ یہ ہماری ضرورت ہیں اور ہمیں بہت عزیز ہیں۔ ان کا یہ رنگ اور ذائقہ اس وجہ سے ہے کہ یہ اسی شجر طیبہ کا حصہ ہیں۔ یہ ان کا شخصی جوہر نہیں۔ اگر یہ اس شجر سے الگ ہو جائیں تو ہمارے لیے ناقابل ذکر ہو جائیں۔ ہم ایک درجے میں ان کو بھی اپنی شناخت بنا لیتے ہیں۔ یہ مسلکی تعصب ہے۔ یہ تعصب کی ایک اور دیوار ہے جو ہم کھڑی کر دیتے ہیں۔ اب ایک شجر کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں اور ہم نے ان کے درمیان دیواریں کھڑی کر دی ہیں۔ دیوار کے اِس طرف رہنے

والے اُن پھولوں کی مہک سے محروم ہیں جو دوسری طرف کھلے ہیں۔ اُدھر بیٹھا ہوا اُس پھل کے ذائقے سے بے خبر ہے جو دیوار کے اِس طرف ہے۔

نقصان میں کون رہا؟ وہ سب جنھوں نے خود کو کسی ایک شاخ سے وابستہ کر لیا۔ وہ دوسری شاخوں پر اُگنے والے خیر سے محروم رہ گئے۔ نفع میں وہی رہا جس نے اُس پاکیزہ درخت کو اپنی شناخت بنایا اور اس سے جڑی ہر شاخ پر اگنے والے پھل اور پھول سے اپنی روحانی و اخلاقی بالیدگی اور صحت کا اہتمام کیا۔ یہ ابو بکر و علی ہوں یا عائشہ و فاطمہ رضی اللہ عنہم، ان کی پاکیزہ سیرتوں سے اپنے اور اہل خانہ کے کردار کو منور کیا۔ تمام فقہوں اور علما سے رہنمائی لی اور سفینۂ حیات کو بحر شریعت سے نکلنے نہیں دیا۔ یہ جانتے ہوئے کہ ہدایت کا واحد ماخذ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ہم سڑکوں اور چوراہوں پر جو جوش و خروش دیکھتے ہیں، یہ سب ہماری فرقہ دارانہ اور مسلکی شناختوں کا اظہار ہے، جسے ہم دین کے عنوان سے بیان کرتے ہیں۔ اس سے تعلق باللہ کو مضبوط کرنا مطلوب نہیں کہ یہ ریاضت خلوت گاہوں میں ہوتی ہے۔ اس کے لیے لوگ معتکف ہوتے ہیں۔ خود کو دنیاداری سے الگ کرتے اور اپنے پروردگار کے لیے خاص ہو جاتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ جلوت میں بھی احساس بندگی باقی رہے۔ ہم اگر گلی و بازار کی سرگرمیوں کو اپنی شہ رگ حیات قرار دیتے ہیں تو اس سے مراد ہمارے مسلک اور فرقے کی حیات ہے، نہ کہ دین کی۔ دین کی شناخت قرآن ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ زمین پر بیت اللہ ہے اور مسجد نبوی۔ دیگر شناختیں ہمیں عزیز ہیں، مگر اس شناخت کی نسبت سے۔

دین میں حفظ مراتب اور ترتیب کی غیر معمولی اہمیت ہے۔ ترتیب بدل جانے سے دین کی صورت بدل جاتی ہے۔ لوگ اس کی سنگینی کو نہیں جانتے اور اسی سے افراط و تفریط کا شکار ہوتے ہیں۔ یہی وہ بے احتیاطی ہے، اہل کتاب جس کا شکار ہوئے۔ قرآن مجید نے اس کو بطور خاص بیان کیا۔ ہمارے اور اہل کتاب کے مابین اصل فرق تلاش کیا جائے تو وہ یہی ہے۔ سیدنا مسیح علیہ السلام ہمارے ایمان کا بھی حصہ ہیں، مگر ہم انھیں اللہ کا بندہ اور رسول مانتے ہیں۔ قرآن مجید کے مطابق انھوں نے گہوارے میں کلام کیا اور اپنا تعارف یہی کرایا کہ 'میں اللہ کا بندہ ہوں'۔ سیدہ مریم کا قرآن مجید نے جس اسلوب میں ذکر کیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ الہامی ادب میں اس کی کوئی مثال موجود نہیں۔ یہ بیان، مگر جس طرح حفظ مراتب کے ساتھ ہوا ہے، وہ خود قرآن مجید کے خدا کا کلام ہونے کی شہادت ہے۔

ہم نے فرقہ دارانہ اور مسلکی تقسیم پر اصرار کیا اور سال کے دنوں کو اپنے مابین تقسیم کر لیا۔ محرم اہل تشیع کے نام ہو گیا اور ربیع الاول بریلوی مسلک نے اپنے نام کر لیا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ سب دن اللہ کے ہیں اور ان لوگوں سے ہمارا تعلق اسی نسبت سے ہے۔ یکم محرم کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور دس محرم کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ۔ رمضان میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی اسی مہینے میں ہوئی۔ اس میں چند مستثنیات ہیں۔ جیسے یوم عرفہ۔ جیسے ماہ رمضان۔ دیگر تمام ایام ان معنوں میں ایک جیسے ہیں کہ ان شخصیات سے ہمارا تعلق بھی یکساں طور پر قائم رہنا چاہیے۔ جنھیں ہم محرم میں یاد کرتے ہیں، ان کی سیرت کو ہم سال کے دوسرے مہینوں میں بھی فراموش نہ کریں۔ اس میں شبہ نہیں کہ کچھ دن کسی واقعے کی نسبت سے اہم ہو جاتے ہیں اور انھیں بطور خاص منایا جاتا ہے۔ اس میں حرج نہیں۔ حرج اس میں ہے کہ اسے تشخص کے طور پر منایا جائے، نہ کہ ایک پیغام کی یاد دہانی کے لیے۔

پاکستان میں محرم کے جلوسوں کی حفاظت کے لیے پولیس کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ جب سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما سب مسلمانوں کے لیے یکساں محترم ہیں تو خوف کس سے ہے؟ یہ کالم اسی سوال کا جواب ہے۔ ایک طرف وہ نابالغ واعظ ہے جس کی ابھی تک مسیں بھی نہیں بھیگیں اور وہ منبر پر آ بیٹھا ہے۔ اس کے لیے جلوس دینی سرگرمی نہیں، ایک گروہی امتیاز کی نشانی ہے یا مالی منفعت کا ذریعہ۔ دوسری طرف وہ شخص بیٹھا ہے جو اس جلوس کو اپنے تشخص کے لیے خطرہ سمجھ رہا ہے۔ دونوں کا دھیان سیدنا حسین کی شخصیت اور کردار کی طرف نہیں، اپنے اپنے تشخص کی طرف ہے۔ ایک کا خیال ہے کہ جلوس برآمد ہوا تو یہ مخالف فرقے کے غلبے کا اظہار ہے۔ دوسرا اس گمان میں ہے کہ جلوس نہ نکلا تو اس کی شناخت خطرے میں پڑ جائے گی۔ یوں تصادم کی وہ صورت پیدا ہو جاتی ہے جس سے بچنے کے لیے جلوس پولیس کے پہرے میں چلتے ہیں۔

حل ایک ہی ہے۔ مسلمان اپنی شناخت کا واحد حوالہ اپنے رسول اور نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بنائیں۔ اللہ نے ان کا نام 'مسلمان' رکھا ہے اور انھیں آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنایا ہے۔ ہر نبی کے امتی اپنے اپنے دور کے مسلمان تھے اور ان کا دین اسلام تھا۔ اب قیامت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دور ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب امتی مسلمان ہیں۔ یہی ہماری شناخت ہے۔ اسی میں ہماری عزت ہے۔ اقبال نے اسی کو بیان کیا ہے کہ 'آبروئے ما زنام مصطفیٰ است'۔ ختم نبوت پر اقبال کا اصرار اسی سبب سے ہے۔ انھوں نے خبردار کیا ہے کہ ہم تشخص کے لیے اس نسبت کو کم اہم سمجھتے ہوئے، اگر کسی اور شناخت کو حوالہ

بنائیں گے تو اس میں چھپے خفیہ اشارے کو نظر انداز کریں گے۔ خبردار رہیں کہ ایسی شناختوں اور گروہ بندی پر اصرار بطور امت ہمارے لیے کتنا خطرناک ہے۔ اگر ہم اقبال کی بات کو سامنے رکھیں تو شاید جلوسوں کے لیے پولیس کے پہرے کی ضرورت نہ رہے۔ اقبال کا کہنا ہے:

اے کہ نشناسی خفی را از جلی ہُشیار باش
اے گرفتارِ ابوبکرؓ و علیؓ ہُشیار باش

(بشکریہ: روزنامہ دنیا، لاہور، ۵/جولائی ۲۰۲۵ء)